اسلام کا نظریہ تعلیم ۔
مقصد و منہاج

محمد طفیل

نوروظلمت اور نیکی بدی ایسی لازوال قوتیں ہیں ۔ جو ہمیشہ باہم دگر ستیزہ کار رہتی ہیں ۔ انسان جب عقلی و شعوری ارتقاء کی منازل طے کرنے کا آغاز کرتا ہے ۔ تو وہ بھی انہیں قوتوں سے دو چار اور نبرد آزما ہوتا ہے ۔ اور یہیں سے انسان کو بعض ضروریات اور احتیاجات کا احساس ہوتا ہے کہ اگر اسے زندگی کی زندہ و جاوید حقیقتوں اور لازوال قوتوں سے آگہی حاصل کرنا ہے اور اچھے برے ، کھرے کھوٹے کی تمیز کرنا ہے تو اس کے پاس ایک کسوٹی اور معیار ہونا چاہیئے جس کے ذریعے وہ یہ پرکھ سکے کہ کونسی حقیقت اس کے لئے منفعت بخش ہے اور کونسی مضرت رساں ۔ ہماری رائے میں یہ آلۂ تمیز اور یہ کسوٹی یا معیار علم ہی قرار پا سکتا ہے ۔ علم کے ذریعے ہی انسان کو جملہ مخلوقات پر برتری حاصل ہے ۔ علم ہی سے انسان کو اپنی اور پھر خالق کائنات کی پہچان حاصل ہوتی ہے اور علم کے بل بوتے پر ہی انسان تسخیر کائنات جیسے اہم کام پر مصروف عمل ہے ۔ اگر جملہ انسانوں کے ذہن اور شعور سے علم کی مشعل بے نور ہو جائے تو ایک جانب انسان اپنے اشرف المخلوقات کے درجے سے محروم ہو جائے گا ، اور دوسری طرف تسخیر کائنات اور اس کے ذریعے سے معرفت الٰہی کا سارا عمل رک کر ختم ہو جائے گا ۔ اور انسان جانوروں اور وحشی

دیوانوں کی طرح اپنے مقصد سے بے خبر ، جنگلوں اور بیابانوں میں مارا مارا پھرے گا ۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے ۔ کہ یہ علم ، جو ہمارے لئے اس قدر اہم اور موت اور زندگی کی حیثیت رکھتا ہے ، یہ کیا چیز ہے ؟ لفظ علم ۔ ع ۔ ل ۔ م (۱) کا مرکب ایک سہ حرفی لفظ ہے ، جس کا سادہ سا معنی "معرفة الاشياء بحقائقها" اشیاء کو ان کی حقیقت سے پہچاننا ہے اسی کو جدید اصطلاحات میں —LITERACY یا SCIENCE KNOWLEDGE وغیرہ جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے ۔ پھر اسی لفظ میں حروف کے اضافے سے تعلیم ، معلم اور متعلم جیسے الفاظ معرض وجود میں آئے عربی زبان کے اس کلیے کے بموجب کہ حروف کا اضافہ معنی کے اضافے پر دلالت کرتا ہے (۲) لفظ تعلیم میں لفظ علم سے زیادہ معانی موجود ہیں ۔ علم معرفت اشیاء کو محیط ہے جو خود بخود بھی حاصل ہو سکتی ہے اور کسی ذریعے سے بھی ، لیکن اس کے برعکس تعلیم یعنی علم کی روشنی کو دوسروں تک پہنچانا یہ عام حالتوں میں خود بخود نہیں ہو سکتا ۔ بلکہ اس کے لئے بہت سے خارجی عوامل کی ضرورت ہوتی ہے اور یہیں سے نظام تعلیم (EDUCATIONAL SYSTEM) معرض وجود میں آتا ہے ۔ جو موجودہ دور میں اس قدر وسعت پذیر ہے کہ اس نظام کی سینکڑوں شاخیں ہیں اور پھر ہر شاخ کے اپنے مسائل و موضوعات ہیں اور اس وقت دنیا کا رجحان چونکہ خاص مہارت (SPECIALIZATION) کی طرف نہایت سرعت سے بڑھ رہا ہے ۔ اس لئے ہر شاخ بلکہ اس کے ہر جزو اور ہر ہر مسئلہ کے ماہرین پیدا ہو رہے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت ترقی یافتہ اور ترقی پذیر

قومیں اپنی قومی آمدنی ، توانائی ، قوت اور عملی وقت کا بیشتر حصہ تعلیم پر صرف کر رہی ہیں اور ابن خلدون (۷۳۲ـ ۸۰۸ ھـ) کے اس نظریے کو اب تسلیم کر لیا گیا ہے۔ کہ علم کسی ایک قوم کی میراث نہیں ہے بلکہ یہ ساری انسانیت کی مشترکہ دولت ہے (۳) ۔ اور کسی بھی انسان کو علم کی دولت سے محض اس لئے محروم نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ خدا نخواستہ کسی خاص نسل ،قوم یا علاقہ سے تعلق رکھتا ہے۔

یہ سوال کہ تعلیم کا آغاز کب ہوا ؟ ایک مسلمان کے لئے اس کا جواب پیش کرنا چنداں مشکل نہیں ہے کیونکہ قرآن حکیم ہماری اس طرف واضح رہنمائی کرتا ہے کہ تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت سے ہی تعلیم کا آغاز ہو گیا تھا ۔ چنانچہ قصہ آدم علیہ السلام میں آدمیت کی فضیلت علم سے ہی ثابت ہوتی ہے اور ارشاد الٰہی ہے «علم آدم الاسماء کلها »(۴) ہم نے آدم کو تمام علوم سکھا دیئے ۔ اس لئے ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ پہلے انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی علم اور تعلیم کے دروازے اس پر کھول دیئے گئے ۔ تاہم یہ امر کہ دنیا میں باقاعدہ تعلیم کا آغاز کیسے ہوا ؟ اگرچہ کافی توجہ طلب ہے اور اس میں بہت سی آراء کا اظہار کیا گیا ہے ۔ ایک جدید عرب ماہر تعلیم کا کہنا ہے ۔ « من العصب حقاً ان نقول ، علی وجد التحدید ، متی بدء التعلیم نفسه ، فالتعلیم قدیم قدم الحیاۃ ذاتها (۵) (یہ بہت ہی مشکل ہے کہ ہم نشان دہی کر سکیں کہ تعلیم کا عملی طور پر آغاز کب ہوا ۔ تعلیم اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ زندگی قدیم ہے) ——— یہی وجہ ہے کہ تعلیم کی ابتداء اسی وقت ہو گئی تھی جب حجری دور کے انسان نے

دو پتھروں کو رگڑ کر آگ پیدا کر لی تھی کیونکہ شروع میں یہ عمل ایک انسان سے سرزد ہوا ہو گا اور پھر اس سے یہ عمل دیگر انسانوں نے سیکھ لیا ہوگا ۔ تو اسطرح سے تعلیم کا آغاز ہو گیا ۔ اسکے بعد معلوم تاریخ میں یونانیوں ، رومیوں اور عیسائیوں نے اپنے اپنے دور میں تعلیم پر خصوصی توجہ دی ۔ اس کے مقاصد و منہاج بھی متعین کرنے کی کوشش کی ۔ گویا جب اسلام اس دنیا میں ظہور پذیر ہوا تو تعلیم ایک نظام کی حیثیت سے موجود تھی ۔ اگرچہ اس میں مقصدی اور فکری طور پر بہت سی کجیاں پائی جاتی تھیں ۔ جن کا انسداد اسلام نے کیا ، جس کا ذکر ہم ذرا آگے چل کر تفصیل سے کریں گے ۔

اسلام کےظہور کے ساتھ تعلیم و تعلم نہ صرف جاری رہا ۔ بلکہ اس میں بے پناہ وسعت ہوئی چنانچہ پہلی وحی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ۔ اس کے الفاظ پر غور کیا جائے " اقراء باسم ربک الذی خلق . خلق الانسان من علق . اقراء وربک الاکرم الذی علم بالقلم . علم الانسان مالم یعلم . (٦) (اپنے پروردگار کے نام سے پڑھیئے جس نے پیدا کیا انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا اپنے بزرگی والے پروردگار کے نام سے پڑھیئے جس نے قلم کےذریعے سے علم سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا)۔ ان آیات کریمہ سے درج ذیل امور واضح ہوتے ہیں ۔

الف) خداوند قدوس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنے کا حکم دیا ہے جس کا واضح منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے امت محمدیہ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ پڑھنے اور پھر پڑھانے کے عمل کو ہمیشہ جاری رکھے ۔ ویسے بھی نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہم پر لازم ہے کہ ہم پڑھیں

ور پڑھائیں ۔

ب) „ الــذی علــم بالــقلــم " کی آیت واضح کرتی ہے کہ اس پڑھنے سے صرف زبانی پڑھنا یا کسی نا معلوم چیز کو صرف حافظے کی مدد سے یاد یا محفوظ کرنا مقصود نہیں بلکہ مدعـا یہ ہے کہ حاصل کردہ معلومـات کو حیطہ تحریر میں بھی لایا جائے کیونکہ قلم بذات خود تحریر کی عـلامت (Symbol) ہے ۔

ج) „علـم الانسان مالم یعلم " والی آیت بتاتی ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو جملہ علـوم و فنـون کی تعلیم دی ہے کیونکہ اس آیت میں ما استغـراقیہ ہے جو جملہ قسم کے علــوم و فنــون کو اپنے احــاطہ میں شامل کئے ہوئے ہے ۔ جس کی تائید دوسـری آیت „ وعلمک مالم تکن تعلم (۷) (اے نبــی تیــرےپــروردگار نے تجھے وہ سب کچھ سکھا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے)۔ سے بھی ہوتی ہے ۔ پھر قــرآن حکیم نے حصول علم کی دعوت عـام دیتے ہوئے ان لوگوں کو مخاطب کیا جو جہالت کی گہرائیوں اور اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے ۔ فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلــمون (۸)کہ جب چیزوں کا علــم نہ ہو تو اس کے حصول کے لئے اہل علم کی طرف رجوع کرنا چاہیئے ۔ اس جگــہ „ اہل علـم " کا لفظ بہت ھی وسیع مفہوم کا حامل ہے ۔ ایک تو اس میں اس امــر کی وضاحت ہے کہ کسی بھی طرح کا علم رکھنے والا انسان اہل علـم ہوتا ہے ۔ دوسرے یہ کہ علــم اور اہل علــم کے الفــاظ ہر طرح کے علم کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں ۔ اور ایک لطیف اشارہ یہ بھی ملتا ہے کہ اگــرچہ مسلمان کو اپنے عقیدے اور عمل کی وجہ سے غیر مسلــم پر فضیلت ، برتری اور فوقیت حاصل ہے ۔ تاہم علم کے حصول میں مسلمان یر مسلموں کی طرف بھی رجوع کر سکتا ہے ۔ اس کی تائید حضور

اکـــرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے ،، الحکمہ ضـالۃ المومن فھو لھا این وجـــدھا (۹) (ترجمہ ـ علـــم مسلمان کی گم شدہ میراث ہے جہاں سے ملے اسے حاصل کر لے) ـ ایک اور مشہور مقولہ جس میں حصول علـــم کی ترغیب ہے ـ اطلبو العلـــم ولو کان بالصین (ترجمہ علـــم حـــاصـل کـــرو اگـــرچہ تمہیں چین ھی جانا پڑے) ـ اسی طرح ختم المـــرسلین ﷺ نے علم کی تحصیل پر زور دیتے ہوئے ، مسلمـــان کو ہمیشہ طالب علـم رہنے کی تاکید فرمائی ـ ،، اطلبو العلـــم من المھد الی اللحد (۱۰)ـ (ماں کی گود سے قبر کی لحد تک علـــم حاصل کرو) قـــرآن حکیم میں جو دعائیں مذکور ھیں ان میں ایک کے الفاظ ھیں ,, رب زدنی علـــما ،، (۱۱) (اے پروردگار میرے علـــم میں اضـــافہ کر دے) اگـــرچـــہ آپ کی ذات کو اللہ تعالی نے علـــم کی دولت سے اس قدر مالا مال کر رکھا تھا کہ آپ جہل سے بالا تر تھے ـ

لیکن پھر بھی آپ کو علـــم سے اس قدر شغف اور تعلـــق خاطر تھا کہ آپ اپنے مالک حقیقی سے علـــم میں اضـــافے کی خواھش کا اظہار کرتے تھے اس آیت سے جو درس ھمیں ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ھمیں اپنی ساری زندگی حصول علـــم میں صـــرف کرنی چاھیئے اور کسی وقت بھی ھمارے ذھن میں یہ خیال نہیں پیدا ھونا چاھیئے کہ ھم بہت بڑے عالم فاضل ھیں ـ یا ھـــم سے بـــڑا کوئی اھل علـــم نہیں ہے کیونکـــہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے وفـوق کل ذی علـــم علـــیم (۱۲) (ھر صاحب علـــم سے بڑھ کر علـــم والا ھوتا ہے) ـ

اســـلام نے علـــم کی ترغیب دیتے وقت اپنے مقصد اعلـــی ، فـــلاح

آخرت اور ثمرہ آخرت کو بھی پیش نظر رکھا ہے اس سلسلے میں قرآن ہماری ان الفاظ میں رہنمائی کرتا ہے کہ یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات (۱۳) (اللہ تعالی تم میں سے ایمان والوں کے درجات بلند کرتا ہے اور صاحب علم افراد کے درجات بلند ہوتے ہیں) اللہ تعالی ایمان اور اہل علم کے درجات بلند فرماتے ہیں) - چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں - العلماء فوق المؤمنین مائة درجة مابین الدرجتین مائة عام (۱۴) اہل علم کو عام مسلمانوں پر سو درجے فوقیت حاصل ہے جبکہ ایک درجے سے دوسرے درجے کے درمیان سو سال کی مسافت ہے) - اسی طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا ،، العلماء ورثة الانبیاء (۱۵) (علماء انبیاء کے وارث ہیں) -

ایک مقام پر اللہ تعالی کا فرمان ہے ،، وما یعقلها الاالعالمون (۱۶) (بعض امور کو عالم لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں)- چنانچہ دین کی سمجھ بھی ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی - نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے ،، من یرد اللہ به خیرا یفقه فی الدین (۱۷) (اللہ تعالی جب کسی انسان سے بھلائی کا کام لینا چاہتے ہیں تو دین کی سمجھ اور سوجھ بوجھ عطا فرما دیتے ہیں) - اس لئے اسلام کی نظر میں وہ لوگ نہایت بلند درجات کے حامل ہیں جو دین اور علم دین کو سمجھنے کے لئے اپنی زندگی وقف کرتے ہیں -

مذکورہ بالا آیات اور احادیث کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اسلام نے تعلیم و تعلم کی نہ صرف حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ اس نے اپنے پیرو کاروں کو اس کی ترغیب دی ، اور ایک ایسے نظام کے بنیادی اصول بیان کر دیئے جس میں انسان کو حصول علم پر پوری

زندگی کاربند رهنے کی تاکید کی گئی ہے ۔ مزید برآں هر جگه سے اور هر جائز طریقے سے علم حاصل کرنے کی اجازت دی ہے ۔ اور پھر علم کے حصول کو خیر و برکت کا موجب قرار دیا گیا ہے ۔ لہذا ظاهر ہے که اس وقت نظام تعلیم کے جمله پهلوؤں پر جو پوری زندگی پر محیط ہے اس مختصر سے مقالے میں انصاف نہیں کیا جا سکتا ۔ اس لئے هم اس کے صرف دو پهلوؤں پرگفتگو کریں گے ۔ اور وہ دو پهلو هیں ۔ مقصد و منهاج ۔ هم پهلے منهاج کو زیر بحث لاکر اس کے متعلقه مقصد پر روشنی ڈالیں گے ۔

منهاج

نهج ، منهج یا منهاج اس طریق کار کا نام ہے جس کے تحت تعلیم دی جاتی ہے اس مفہوم کو انگریزی کا لفظ (METHOD) زیادہ واضح کر دیتا ہے جب کبھی هم منهج کا لفظ استعمال کرتے هیں تو اس وقت تعلیمی اصطلاحات میں اس سے یه چیزیں عموماً مراد هوتی هیں ۔

(الف) وہ مواد جس کی تعلیم دینا مقصود هو ۔

(ب) کس زبان میں تعلیم دی جائے ۔

(ج) تعلیم دینے کا طریق کار کیا هونا چاهیئے ؟

(د) تعلیم دینے والے ۔ معلمین کیسے اور کن شرائط کے حامل هوں ؟

(ه) تعلیم حاصل کرنے والے ۔ طلبه کن صفات سے متصف هوں ۔

ان امور پنچگانه پر بحث کرنے سے پهلے هم ایک نکته کی وضاحت نهایت ضروری خیال کرتے هیں اور وہ نکته یه ہے که جب هم "اسلامی نظام تعلیم" کی اصطلاح استعمال کرتے هیں تو اس وقت هماری مراد کیا هوتی ہے ؟ اس امر کی وضاحت کرتے هوئے ایک نامور

مسلمان ماہر تعلیم جناب احمد عبد الغفور عطار لکھتے ہیں ۔
"التربیة عند المسلمین لم یکن دینیا محضاً کما کان عند الاسرائیلیین فی العصر الاول من تاریخهم ۔ ولا کان دنیویا محضا کما کان عند الرومان مثلاً وانما کان دینیا و دنیویا معا" (۱۰) (مسلمانوں کے ہاں تعلیم صرف دینی ہی نہیں ہوتی جیسا کہ یہودیوں میں ان کی تاریخ کے ابتدائی دور میں تھا ۔ اور ان کے ہاں تعلیم نہ صرف دنیوی ہوتی ہے جیسا کہ اہل روم میں ہوتا تھا ۔ ان کے ہاں دینی اور دنیوی امور کی تعلیم ساتھ ساتھ ہوتی ہے) روحانیت و مادیت اور دین و دنیا کے اس حسین امتزاج کو قرآن حکیم نے ان خوبصورت الفاظ میں سمجھایا ہے ۔ وابتغ فی ما آتاک اللہ الدار الآخرة ولا تنس نصیبک من الدنیا و احسن کما احسن اللہ الیک (۱۱) (اللہ تعالی نے آخرت کیلئے جو کچھ عطا کیا ہے ، اس کو تلاش کرو اور دنیا میں اپنا حصہ فراموش نہ کرو اسی طرح اچھا برتاؤ کرو جیسے اللہ تعالی نے آپ کے ساتھ اچھا برتاؤ روا رکھا) ۔ یعنی دنیا و آخرت کو آپس میں ملا کر اور اکٹھا کر کے چلو جیسا کہ اللہ تعالی نے ان دونوں کو نہایت ہی خوش اسلوبی سے ملا دیا ہے ۔ پھر حضور علیہ الصلوة والسلام نے اس نظریے کی یوں وضاحت و توثیق فرمائی ۔ **لیس خیرکم من ترک الدنیا للآخرة ولا الآخرة للدنیا ، ولکن خیر من اخذ هذه و هذه** (۱۲) (تم میں سے وہ بہتر نہیں جس نے دنیا کو آخرت کے لئے چھوڑ دیا یا آخرت کو دنیا کے لئے بھلا دیا بلکہ بہتر وہ ہے جس نے دونوں کو ساتھ ساتھ اپنایا) ۔ اسلامی نظام تعلیم کو جو دنیا اور آخرت دونوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلتا ہے کیا اسے کسی ایک شعبہ میں سمویا جا سکتا ہے ؟ ایسا کرنا ہمارے بس میں ناممکن ہے اس لئے جب ہم اسلامی نظام تعلیم کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں اس وقت ہماری مراد ایسا

نظام ہرگز نہیں ہوتی جس میں دینیات یا اسلامیات ایک جزو کے طور پر موجود ہو ۔ بلکہ ایسا نظام ہم مراد لیتے ہیں جو اسلامی طرز زندگی کا حصہ ہو ۔ جو زندگی کے تمام شعبوں کو اسلامی طرز پر ڈھالنے میں ہماری معاونت کرے اور جس میں انسان و کائنات کے بارے میں اسلامی تصور ، مادی علوم ، حیاتیاتی علوم ، نفسیاتی علوم ، عقلی علوم ، سماجی علوم ، طبیعیاتی اور مابعد الطبیعیاتی علوم غرضیکہ جملہ علوم جن کا تعلق انسان کی دنیا اور آخرت کی زندگی سے ہے سب کے سب اس میں شامل ہوں اس تصریح سے یہ بات بھی پوری طرح عیاں ہو گئی کہ اسلامی تعلیم کا مقصد فعال اور زندگی کے جملہ پہلوؤں پر حاوی انسان پیدا کرنا ہوتا ہے ۔ اس نکتہ کی وضاحت کے بعد اب ہمیں مذکورہ بالا اجزائے منہاج کی طرف رجوع کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی ۔

منہاج میں جن امور کو شامل سمجھا جاتا ہے ان میں پہلی بات یہ زیر بحث آتی ہے کہ آپ جو مواد (MATERIAL) پڑھانا چاہتے ہیں وہ کس قسم کا ہونا چاہیئے ؟ مواد تعلیم کا تعین کرتے وقت ہمیں ہر قوم اور خطے کے مخصوص نظریات کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے ۔ کیونکہ جب تک کسی قوم کے اپنے مخصوص نظریات نہ ہوں ۔ وہ اپنا تشخص قائم نہیں رکھ سکتی اور جب تک مخصوص نظریات کی ترویج و تبلیغ نہ کی جائے وہ نہ تو قائم رہ سکتے ہیں اور نہ ہی آئندہ نسلوں تک پھیل سکتے ہیں ۔ اس لئے لازمی ہوتا ہے کہ مواد تعلیم نظریات کے تابع اور نظریات کا حامل ہو ۔ اس کلیے کو پیش نظر رکھ کر جب ہم مسلمانوں کیلئے مواد تعلیم تجویز کرتے ہیں تو ہم اس میں قرآن ، حدیث ، فقہ ، کلام ، تاریخ ، تہذیب و ثقافت ، تاریخ علوم ، عقلیات ،

طب و حکمت کے علوم کے ساتھ جملہ سائنسی علوم حیاتیات ، طبیعیات ، نباتیات ، نفسیات ، بشریات ، جراحی ، فلکیات جوھری اور فضائی علوم ۔ غرض جملہ علوم کو جو انسان کی بہبود کے لئے ھیں اس کو نقصان سے بچاتے ھیں ، ان سب کو مواد تعلیم کا جزو قرار دیکر داخل نصاب کریں گے ۔ کیونکہ ایسا کرکے ھی ھم اسلامی نظام تعلیم کی روح کو حاصل کر سکتے ھیں ۔ اور اگر ھم ایسا کرنے میں ناکام رھتے ھیں تو ھم افراط و تفریط کا شکار ھو کر جادۂ مستقیم سے دور چلے جائیں گے ۔

منہج تعلیم (CURRICULUM) کا دوسرا بڑا مسئلہ یہ ھوتا ، ہے کہ جو مواد آپ پڑھانا چاھتے ھیں اسے کس زبان میں پڑھایا جائے ؟ ھمیں جاننا چاھیئے کہ زبان (LANGUAGE) کیا چیز ھوتی ہے ۔ زبان حقیقت میں وہ چند اشارے ھوتے ھیں جو انسانوں نے باھم متعین کر لئے ھیں کہ اس اشارے سے ھم یہ چیز مراد لیتے ھیں ۔ زبان اس لئے معرض وجود میں آئی ہے کہ انسان باھم دگر ایک دوسرے کو اپنا مفہوم و مدعا سمجھا سکیں جب زبان بنائی ھی اس لئے گئی ہے کہ ایک دوسرے کے مدعا کو سمجھا اور سمجھایا جا سکے تو پھر تعلیم جس کا معنی ھی ایک دوسرے کو سمجھانا اور نئے حقائق سے روشناس کرانا ہے جو صرف مادری زبان میں ممکن ہے ۔

اگر کسی کو عربی زبان میں بات آسانی سے سمجھ آتی ہے تو اسے عربی زبان میں سمجھائی جائے اور اگر کوئی انگریزی ، فرانسیسی ، جرمنی ، ترکی ، لاطینی ، ھندی سنسکرت ، عبرانی یا اردو نیز پنجابی زبان میں زیادہ سہولت پاتا ہے تو اسے انھیں زبانوں میں سے کسی ایک میں تعلیم دی جائے اور اسے مجبور نہ کیا جائے کہ وہ کسی مخصوص

زبان کے ذریعے ھی تعلیم حاصل کرے ۔ کیونکہ اصل مقصد بات پہنچانا اور سمجھانا ہے اسی حکمت کو قرآن میں بھی پیش نظر رکھا گیا ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے ، وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ (۲۱) (ھم نے ھر رسول کو اس قوم کی زبان دے کر بھیجا) اگر آپ کے سامنے اس زبان میں گفتگو کی جائے جس میں سے آپ نابلد ھوں تو یہ مفید بات نہیں ھوگی ۔ کیونکہ پروردگار عالم نے فرمایا ۔ وقولوا للناس حسنا (۲۲) (لوگوں سے عام فہم طریقے سے گفتگو کرو) ۔ اس لئے اسلامی نظام میں ذریعہ تدریس ھر وہ زبان ھوتی ہے جو معلم اور متعلم آسانی سے سمجھ اور سمجھا سکیں ۔ اور عربی زبان کی اپنی ایک حیثیت اور فارسی زبان کا اپنا ایک ثقافتی مقام ہے ۔ لیکن ضروری نہیں ھم انہیں زبانوں میں تعلیم دیں اور اسی طرح انگریزی کو پاکستان میں ذریعہ تعلیم بنانے کا بھی کوئی جواز نہیں جبکہ ھم سب انگریزی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے بلکہ اسی زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے جسے ھم سمجھ اور سمجھا سکیں ۔ تاکہ تعلیم کا مقصد حاصل ھو ۔

اس عنوان کا تیسرا نکتہ جس پر ھم بات کرنا چاھتے ھیں وہ یہ ہے کہ تعلیم دینے کا طریق کار کیا ھونا چاھیئے ؟ یہ اپنی جگہ بہت اھم سوال ہے ۔ تاھم ھمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر غور کرنا چاھیئے ۔ تو ھمیں معلوم ھوگا کہ آپ کا طریق کار یہ تھا کہ آپ ضرورت کے مطابق احکام صادر فرماتے تھے ، احکام نہایت واضح ھوتے ۔ جملے چھوٹے چھوٹے اور نہایت فصیح ھوتے ۔ غیر واضح باتوں کو امثلہ اور نظائر کے ذریعے سے سمجھاتے اور جب بھی کسی موضوع پر گفتگو فرماتے تو اس موضوع کی مناسبت سے اصطلاحات اور محاورے

استعمال میں لاتے ۔ اس لئے ہمیں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر عمل پیرا ہونا چاہیئے ۔ لیکن اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ ہم جدید دریافتوں سے استفادہ نہ کریں ۔ بلکہ ہمارے لئے " اصل الاشیاء اباحۃ " (حقیقت میں چیزیں استعمال کے لئے جائز ہیں) کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ضروری ہے کہ جملہ جدید ترین طریقے اپنائیں ۔ تختہ سیاہ کا استعمال کریں نقشوں اور چارٹوں کی مدد سے امور کو واضح کریں اور ریڈیو ، ٹیلیویژن اور دیگر ذرائع ابلاغ کو بھی ذریعہ تدریس کے طور پر استعمال کریں ۔ اسی طرح نفسیات کے نکتہ نظر سے ماہرین نے جو اصول اور قواعد وضع کئے ہیں ان کو بھی پیش نظر رکھا جائے ۔

معلمین کو کن اصولوں پر کاربند ہونا چاہیئے ۔ نہج کے تعلق سے یہ ایک اہم بحث ہے ۔ امام غزالی رحمۃ اللہ (۴۵۰ ۔ ۵۰۵ ھ) نے اس موضوع کو نہایت مفید اور مفصل طریقے سے بیان کیا ہے ۔ ہم اس کا ملخص پیش کرتے ہیں ۔ انہوں نے معلم کے لئے آٹھ فرائض کا ذکر کیا ہے ۔ اور ان کی تشریح کرتے ہوئے ان کے فوائد پر یوں روشنی ڈالی ہے ۔

۱ ۔ پہلا اصول یہ ہے کہ شاگردوں کے ساتھ مشفقانہ سلوک کیا جائے اور انہیں اپنی حقیقی اولاد کے مساوی سمجھا جائے اور جس طرح ایک شخص کی اولاد عموماً محبت اور پیار سے رہتی ہے ۔ اسی طرح شاگردوں کو بھی چاہیئے کہ وہ بھی آپس میں محبت و مؤدت سے رہیں ۔

۲ ۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ تدریس کے باب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی جائے ۔ استاد صرف خدا اور اس کے قرب کے حصول کے لئے تعلیم دے ۔ شاگردوں پر احسان نہ جتائے ۔

۳۔ شاگـرد کو نصیحت کـرنے میں کوئی دقیقـہ نہ اٹھا رکھے ۔

۴۔ چوتھا اصول یہ ہے کـہ جہاں تک ممکن ہو سکے شاگـردوں کو بری عـادتوں سے پیار و محبت سے منع کرے اور زجـر و توبیخ کا طریقـہ نہ اپنائے ۔ کیونکـہ یہ باھمی حجاب کو دور کرتی ہے اور خلاف ورزی پر اکساتی ہے ۔

۵۔ استاذ پر لازم ہے کـہ وہ جس علـم کی تدریس کرتا ہے اس کا تفوق بیان کرتے وقت دیگـر علـوم کے اھانت آمیز پہلـوؤں کو نہ ابھارے جیسے کـہ لسانیات کی تعلیم دینے والے عموماً فقـہ ، منطق اور اسی طرح کے دیگر مـروجہ علـوم پر منفی تنقید کرتے ھیں ۔

٦۔ شاگـرد کو تعلیم دیتے وقت شاگرد کی ذھنی صـلاحیتوں کو بھی پیش نظر رکھا جائے اور اپنی قابلیت یا شخصیت کے اظہار کے لئے ایسا طریقـہ ھرگز نہ اپنایا جائے کـہ متعلم کے کچھ پلے ھی نہ پڑے ۔

۷۔ غبی اور کمـزور ذھن طلبـہ پر اس امـر کا اظہار نہیں ہونا چاھیئے کـہ ان کی کند ذھنی کی وجہ سے انہیں بہت سے نکات نہیں بتائے جا رہے ھیں بلکـہ اسے یہی معلـوم ھو کـہ استاذ اسے علـوم کا پورا خـزانہ عطا کر رہا ہے ۔

۸ استاذ جس علـم کی تعلیم دیتا ہے اس پر خود بھی عمل پیرا ھو ۔ ایسا نہ ھو کـہ قول و فعـل میں تضـاد ھو ۔(۲۳)

یہ وہ زرین اصول ھیں جن کی وضاحت امام غـزالیؒ رحمة اللہ نے فرمائی ہے ۔ جو آج سے تقریباً ھزار سال پہلے مقرر کئے گئے تھے ۔ لیکن وہ آج بھی اسی طرح مفید اور قابل عمل ھیں ۔ جیسے وہ اپنے زمانے میں تھے ۔ اس عنوان پر ھم اگرچـہ مزید کوئی اضـافـہ نہیں کرتے تاھم شیخ طوسی (۵٦۷ ـ ٦۷۲) کا ایک قول نقل کرتے ھیں ۔ ینبغـی لطالب العلـم

ان یخنا من کل علـم احسنـه وما یحتاج الیه فی امـور دینه فی الحال ثم ما یحتاج الیه فی المآل (۲۳) (طالب علـم کو چاهیئے کـه وه هر ایسا علـم سیکھے جس کا وه دینی معـاملات میں موجوده وقت میں ضرورت مند هو اور آخرت میں وه اس کا محتاج هو) ۔

اس عنوان کا آخری پہلو یہی ہے که طلبـه کو کـن صفات کا حامل هونا چاهیئے ؟ اگرچـه یه سوال همیشه سے ماهرین تعلیم کی فکـر کا موضوع رها ہے اور اس پر بہت زیاده لکھا گیا ہے لیکن هم اس وقت اس پہلو پر بھی امام غـزالی کے ان افکار کی تلخیص پیش کریں گے جو انہوں نے اپنی شہره آفاق تصنیف احیاء علـوم الدین میں پوری تفصیل سے بیان فرمائے هیں ۔ چنانچـه وه لکھتے هیں ۔

"اماالمتعلـم فآدلو و وظائفة الظاهره کثیرة ولکن تنظم تفاریعها فی عشره جمل(یہاں تک طالب علـم کا تعلق ہے اس کے آداب اور ظاهری فرائض بہت زیاده هیں لیکن ان سب کو دس جملوں میں بیان کیا جاتا ہے) اس کے بعد انہوں نے ان صفات کا یوں احاطـه کیا ہے ۔

۱۔ طالب علـم کے لئے ضـروری ہے کـه وه اخلاق رذیلـه اور صفات ذمیمه سے بلند هو کر طهارت قلب کی جانب پیش قدمی کرے دل کیونکـه دل کی پاکیزگی هی اللّٰه تعالی سے قرب کا ذریعـه بنتی ہے ۔

۲۔ دنیوی مشاغل سے اپنے کو دور رکھے ۔ اپنے اهل و عیال اور وطن سے دور رهے کیونکـه کہا جاتا ہے العلـم یعطیک بعضه حتی تعطیه کلک ۔ (علـم اپنا کچھ حصه اسے دیتا ہے جـو اپنـا سب کچھ اس کے لئے وقف کر دے) ۔

۳۔ نه علـم پر غـرور اور نه استاد پر حکومت کرے استاد کا تابع فرمان رهے اس کی نصیحت پر پوری طرح سے عمل کرے ۔ استاد سے

انکساری سے پیش آئے اور اس کی خدمت کرنا ثواب سمجھے ۔

۴۔ ابتدائی دور تعلیم میں لوگوں کے اختلافات سننے سے پرہیز کرے ۔ کیونکہ اختلافات کے سننے سے مبتدی کی عقل متحیر ، ذھن پریشان اور رائے سست ھو جاتی ہے اور وہ فھم و ادراک مایوس ھوتا ہے۔ مبتدی طالب علم پر لازم ہے کہ وہ ابتداء میں استاد کے عقیدے اور رائے پر اعتماد کرے اور بعد میں جب بالغ ذھن اور وسیع النظر ھو جائے تو پھر مذھب کے فلسفہ اور اختلافی مسائل پر غور کرے ۔

۵۔ طالب علم مفید علوم میں سے کوئی علم اور اس کی شاخوں میں سے کسی شاخ کے حصول سے اپنے کو محروم نہ رکھے ۔ اور بنظر غائر ان کا مطالعہ کرے تا آنکہ اس کے مقصود بالذات اور علت غائی سے بخوبی آگاہ ھو جائے اور پھر یہیں بس نہ کرے بلکہ دیگر علوم میں سے تھوڑا تھوڑا حاصل کرے ۔ کیونکہ علوم آپس میں مربوط و منظم ھوتے ھیں ۔

۶۔ فنون میں سے کسی ایک دفعۃکواختیار نہ کرے بلکہترتیب کا لحاظ رکھتے ھوئے اھم فن سے آغاز کرے ۔

۷۔ اگلا اصول یہ ہے کہ کسی فن میں اس وقت تک قدم نہ رکھے جب تک کہ اس سے پہلے والے فن کو مکمل نہ کر لے ۔

۸۔ علوم کا شرف نتیجہ اور دلیل کی پختگی سے حاصل ھوتا ہے ۔ چونکہ دین کا علم اشرف ہے ۔ اس لئے اس سے پیچھے نہیں رھنا چاھیئے ۔ اور اس کے حصول میں جھد تام صرف کرنی چاھیئے ۔

۹۔ مقصود اصلی سے علم کا تعلق معلوم کرنا ھو گا ۔ تاکہ جو علم مقصد سے زیادہ قریب ھو اسے بعید پر ترجیح دی جائے اور ضروری علم کو اختیار اور غیر ضروری علم کو ترک کیا جا سکے ۔

١٠ - تحصیل علـم سے طالب علـم کی غـرض اپنے باطن کو آراستہ کرنا اور فضائل سے مزین کرنا ہو تاکـہ اس سے اللّٰہ تعالی کا قرب حاصل کیا جا سکے ۔

یہ ہیں وہ زندہ و جاوید اصول جنہیں اپنا کر طلباء علـم کی دولت سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں ان امور کی روشنی میں ہم سب کیلئے یہ لمحہ فکـریہ ہے کہ ہم اور ہمارے طلبـہ کس حد تک ان زریں اصولوں کو اپنائے ہوئے ہیں ۔ اور تو اور مذہبی تعلیم پانے والے طلبہ اب جس بے راہ روی ، خدا ناشناسی اور فیشن پرستی کا شکار ہو رہے ہیں وہ سوہان روح ہے ۔ اس لئے انہیں لازماً اپنی میراث پر عمل پیرا ہونا چاہیئے ۔

عـزیز قارئین اب تک ہم نے تعلیم کی ضرورت و اہمیت ، اسلامی تعلیم کا صحیح اور وسیع مفہوم اسکا منہاج نیز اس کے جملـہ مسائل پر نہایت اختصار سے روشنی ڈالی ہے اور اب ہم اس مقالے کے آخـری موضوع پر نظر ڈالیں گے اور وہ آخری موضوع ہے ۔

مقصـــد تعلیم :

یہ موضوع جس قدر سادہ سا معلوم ہوتا ہے اسی قدر زیادہ پیچیدہ اور اہم ہے اور اس کس اہمیت اس سے عیاں ہـو جاتی ہے کـہ اگـــر انســـان کے ســـامنے مقصـــد متعین نہ ہو تو وہ اس شتر بے مہار کی طرح ہوتا ہے جس کا کوئی ٹھکانـہ نہ ہو ۔ اسی طرح اگـــر مقصـــد کا تعین کئے بغیر آپ کسی علـــم کو حاصل کرنا شـــروع کر دیں گے تو اس کی مثال بالکل ایسی ہوگی کہ منزل کے تعین کے بغیر سفر اختیار کر لیا جائے اور جدھـــر سینگ سمائیں روانہ ہو جائیں ۔ یوں کرتے وقت آپ یقیناً کسی بھی منزل مقصـود تک نہیـں پہنـچ سکیـں گے ۔ مقصـد (OBJECT) کو جو اہمیت حاصل ہے ۔ اس کا اندازہ اس حقیقت سے

بھی ہو سکتا ہے کہ ہر دور میں تعلیم کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور متعین کیا گیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ مقصد زندگی کے مقصد سے ہم آہنگ رہا ہے یا نہیں۔ وہ مقصد اپنے میں مقصد بننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے یا نہیں، بہرحال ہر دور میں مقصد کا تعین ضرور کیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

انسانیت کی معلوم تاریخ میں تعلیم کا منظم طریقہ سب سے پہلے یونانیوں کے ہاں ملتا ہے۔ چنانچہ یونانی فلسفیوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے تعلیم کے موضوع پر سنجیدگی سے غور و خوض کیا اور تعلیم کا یہ مقصد متعین کیا۔

The aim of education they set was, to prepare the children to take part in politics in adult life (۲۶)

انہوں نے تعلیم کا جو مقصد متعین کیا وہ یہ تھا کہ بچوں کو اس طرح سے تیار کیا جائے کہ وہ سن بلوغت کو پہنچ کر سیاست میں حصہ لیں۔

یونانیوں کے ہاں مقصد تعلیم یہ ہے کہ نئی نسل کو اس طرح سے تیار کیا جائے کہ وہ اپنی بلوغت کی عمر میں سیاست میں اپنا بھرپور کردار ادا کر سکے۔ گویا ان کے ہاں مقصد حیات صرف سیاست کا فروغ تھا۔ چونکہ تعلیم کا مقصد حقیقی زیست کے مقصد کے تابع ہوتا ہے اس لئے وہ تعلیم کا مقصد بھی سیاسی مقرر کرتے تھے۔ ان کے ہاں زندگی کی دیگر حقیقتیں ناپید دکھائی دیتی ہیں۔ ان کے بعد رومیوں کا چرچا ہوتا ہے تو یہ زیادہ اچھے سیاست دان پیدا کرنے کی فکر میں دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حکومت، سیاست اور قانونی افکار میں نمایاں اضافہ کیا۔ چنانچہ

They considered that the sole aim of education was to produce statesmen and orators (۲۷)

انہوں نے یہ سوچا کہ تعلیم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ اچھے حکمران اور سیاست دان پیدا کئے جائیں ۔ اور ان کے ہاں سیاست کے ساتھ خطابت کا بھی شہرہ رہا ۔ اور انہوں نے خطابت کے ذریعے سے سیاست کو چمکانے اور سدھارنے کی کوشش کی ۔ ظاہر ہے کہ سیاست بذات خود یا بذریعہ خطابت اس کا فروغ حقیقی زندگی کے مقاصد سے کوئی لگاؤ نہیں کھاتا ۔ اس لئے وہ زیست کے حقائق سے دور ہی دکھائی دیتے ہیں ۔

ان کے بعد جب یورپ میں عیسائیوں کے دور کا آغاز ہوا ۔ تو اس وقت مدرسے اور ادارے باقاعدہ اور منظم شکل میں معرض وجود میں آ چکے تھے ۔ اسلئے انہیں مقاصد تعلیم متعین کرنے میں زیادہ دشواریاں پیش نہیں آئیں ۔ اور انہوں نے مسائل مذہب کی روشنی میں مقصد تعلیم کو اس طرح سے بیان کیا ۔

The institutions aimed moral reformation and regeneration of society through christian Faith (۲۸)

تعلیمی اداروں کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے کی اخلاقی تعمیر نو کلیسا کے عقائد کے ذریعے کی جائے ۔

اب زندگی میں مذہب کا وجود داخل ہو گیا ۔ لیکن عیسائیت مذہب کے ذریعے سے روحانیت کی تسکین کی بجائے محض معاشرے کی تشکیل نو چاہتی ہے اس مقام پر پہنچے ہوئے ہمارے لئے یہ سہل ہو گیا ہے کہ اب ہم اسلام کے پیش کردہ مقصد تعلیم کی طرف اپنا رخ موڑ سکیں کیونکہ عیسائیت کے زوال کے بعد اسلام اس دنیا میں طلوع ہوا ۔ جس کی ضیاء پاشیوں سے انسانیت منور ہو گئی ۔ ۔

اسلام چونکہ ایک ضابطہ حیات ہے ۔ جو زندگی کے ہر پہلو پر

محیط ہے ۔ جو روحانیت اور مادیت کـو دوش بدوش لے کر چلتا ہے ۔ اس لئے اسـلام نے مقصد زیست کی اتباع میں جو مقصد تعلیم بیان کیا ہے ۔ وہ نہ صـرف یہ کہ جـامع ہے ۔ بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے قابل عمل اور مفید ہے ۔ اب ہم ذیل میں ان مقاصد کا مختصراً جائزہ پیش کرتے ہیں ۔ جو مسلمان مفکـرین نے وقتاً فوقتاً پیش کئے ہیں ۔ اور اس کے بعد ہم وہ مقصد بیان کریں گے جسے ہم اسـلامی تعلیم کا مقصد اول قرار دیتے ہیں ۔

۱۔ شیخ نصیرالدین طوسی (۵۹۷ـ۶۷۲ ھ) نے تعلیم کا مقصد ان الفاظ میں بیان کیا ہے ۔ ،، العلـم المحتاج الیہ فی الحـال المـوصل الی النفـع فی المآل (انسـان کو تعلیم کی احتیاج اس لئے ہوتی ہے کہ اس کے ذریعے وہ حصول مقصد کے نفع کـو پہنچتا ہے ۔

۲ ۔ ایک اور مقصد تعلیم ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ۔ ،، وقـد هدف المسلمـون الی جانب الدین والاخـلاق الی معـان اجتمـاعیہ(۲۸)

مسلمانوں کے ہاں ایک مقصد تعلیم یہ بھی رہا ہے کہ وہ علـم حاصل کرکے سمـاج میں بلند مـرتبہ حاصل کریں ۔ اگـرچہ علـمـاء کو علـم کی وجہ سے معـاشرے اور حکومت میں ایـک خاص مقـام حاصل رہا ۔ لیکن یہ مقصد ایک وقتی اور ادنی مقصد کی حدود میں آتا ہے ۔

۳۔ تعلیم کا بنیادی مقصد یہ بھی قرار دیا جاتا تھا کہ "المعـرفة والـوصول الی الحـق (۲۹) (اشیاء کی پہچان جس کے ذریعے سے حقیقت تک پہنچا جا ئے) ۔ یہ معلوم کیا جائے کہ حق کیا ہے ؟ اور اس تک رسائی کیسے ممکن ہے ؟ یہ مقصد بھی اسـلامی نقطہ نظر سے کافی بلند ہے ۔ تاہم اس میں گفتگو کی گنجائش باقی ہے ۔

۴۔ بعض حلقوں میں حصول علم کا مقصد دنیوی منفعت حاصل کرنا اور روزی کمانا بھی قرار پاتا رہا ۔ جو ہماری رائے میں نہایت ہی گھٹیا مقصد ہے۔ کیونکہ روزی کمانے کے اور بھی بہت سے ذرائع ہیں ۔ اور پھر ,, وما من دآبة فی الارض الا علی اللّٰہ رزقھا ,,(۳۰) (ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمے ہے) کے مصداق ہمیں روزی کے لئے زیادہ فکر مند نہیں ہونا چاہیئے ۔

۵۔ بعض مخصوص حلقوں میں علم کے حصول کا محض مقصد یہ رہا کہ طالب علم اپنے مخصوص مسلک یا خاص عقیدے کی تائید کرنے اور دیگر عقائد کی تردید کرنے کے دلائل سیکھے ۔ اور اپنے علم کو اسی دائرہ میں محدود رکھے ۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد بہت ہی سطحی ، محدود اور انسانی صلاحیتوں کو مفلوج کر دینے کے مترادف ہے۔ تاہم اگر اس مقصد کو وسعت دے کر تقابل ادیان کا موضوع بنا لیا جائے تاکہ اسلام کی حقانیت ثابت کی جا سکے تو قدرے مفید ہو سکتا ہے۔

٦۔ ایک ماہر تعلیم جناب ابراهیم نبہانی نے مسلمانوں کا مقصد تعلیم یوں بیان کیا ہے ,, الهدف الاول لتعليم الاسلامی کان عمليا ۔ لقد عمل العرب علی تنمية الفنون والحروف"(۳۱) (تعلیم اسلامی کا بنیادی مقصد عمل کو فروغ دینا ہے کیونکہ عمل کے ذریعے سے ہی عربوں نے حروف اور فنون کو ترویج دی) ۔ اس میں کوئی شک نہیں مسلمانوں نے علم کی ترقی کیلئے بے پناہ خدمات سر انجام دی ہیں ۔ اور وہ علم کا علم بلند کرنے میں کامیاب بھی ہوئے ہیں ۔ لیکن مسلمانوں کے مقاصد اس سے بلند تر ہونے چاہئیں ۔

۷۔ ہمارے زمانے کے ایک پاکستانی ماہر تعلیم سعید احمد رفیق

اسلامی تعلیم کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔ اسلام کی نظر میں تعلیم و تعلم کا اصل مقصد انسانی پیدائش کے منشاء کو پورا کرنا ، اخلاق حسنہ سے آراستہ ہونا اور دوسروں کو آراستہ کرنا ہے ۔ (۳۲) یہ مقصد کافی اچھا ہے اور اسلامی روح کے بہت قریب دکھائی دیتا ہے لیکن اس سے بھی اعلی اور ارفع مقصد وہ ہے جس کی نشان دھی آئندہ سطور میں کی جا رہی ہے ۔

۸ ۔ اسلامی تعلیم کا مقصد متعین کرتے وقت ہمیں اس امر پر غور کرنا ہو گا ۔ کہ اسلامی زندگی گزارنے یا اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے کا کیا مقصد ہے ؟ اگر ہم اس مقصد کو متعین کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو پھر مقصد تعلیم کے تعین میں کوئی مرحلہ باقی نہیں رہ جائیگا چنانچہ مختصر الفاظ میں اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ رضائے الہی حاصل کر لیں ۔ کیونکہ یہ ایسا نسخہ ہے جسے حاصل کرکے ہم اپنا دین اور دنیا دونوں سنوار سکتے ہیں ۔ اور رضائے الہی کے حصول کو ہی تخلقوا باخلاق اللہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یعنی اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگ لیا جائے ۔

اسی طرح مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ دیگر تمام مقاصد سے ہٹ کر اسلامی تعلیم کا مقصد ، اسلام کو سمجھنا ، دوسروں کو سمجھانا قرار دیں تاکہ اعلائے کلمۃ اللہ کا منشاء پورا ہو سکے اور مسلمان رضائے الہی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں ۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ،، ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا (۳۳) (جسے حکمت (علم) دیا گیا اسے بہت بڑی خیر سے نوازا گیا) ۔ گویا علم کا آنا ہی خیر کثیر ہے اور مسلمان کے لئے رضائے الہی کے

حصول سے بڑھ کر اور کوئی چیز خیر کثیر نہیں ہو سکتی ۔ اس لئے رضائے الہی کا حصول ہی مسلمانوں کا مقصد تعلیم ہو سکتا ہے اس کی تائید نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ " من تعلم علماً لغیر اللہ او اراد بہ غیر وجہ اللہ ، فلیتبوا مقعدہ من النار (٣٤) (جس نے علم غیر اللہ کیلئے سیکھا یا اس سے غیر اللہ کی خوشنودی چاہی اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا ۔) ۔ یعنی جو شخص رضائے الہی کے حصول کے علاوہ کسی اور غرض کے تحت علم حاصل کرے گا اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا ۔ پھر ایک اور مقام پر حضور علیہ السلام نے رضائے الہی کے علاوہ دیگر اغراض کی نشان دھی اس طرح فرمائی ۔

من طلب العلم لیماری بہ السفہاء (٣٥) او یکاثر بہ العلماء ، او یصرف بہ وجوہ الناس الیہ ادخلہ اللہ النار ۔ (جس نے علم اس مقصد کے لئے حاصل کیا کہ اس کے ذریعے سے کم علم لوگوں پر رعب ڈالے یا علماء پر اپنا سکہ بٹھا دے ۔ یا علم کے ذریعے سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لے تو اللہ تعالی ایسے شخص کو جہنم میں داخل کرے گا ۔

اس حدیث سے عیاں ہوا کہ کم علم والوں پر علم کا رعب ڈالنا ، علماء میں اپنے علم کی بڑھائی بیان کرنا اور علم کا اظہار اس طرح کرنا کہ لوگ اس کی جانب متوجہ ہو جائیں یہ سب اغراض غیر اسلامی اور قابل گرفت ہیں ۔

ایک اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جس شخص نے اس علم کو جس سے اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے اس لئے حاصل کیا کہ وہ اس سے اپنی کوئی غرض حاصل کرے تو قیامت کے دن جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہوگا (٣٦) ۔

یہ اور اس طرح کے بہت سے ارشادات ہیں ۔ جن کی روشنی میں یہ امر عیاں ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مقصد تعلیم محض اور محض اللہ تعالی کی خوشنودی کے حصول کو قرار دیں ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مقصد حاصل کیسے کیا جا سکتا ہے ؟ تو اس سوال کا جواب اخوان الصفا کے الفاظ میں یہ ہے کہ طالب علم علم حاصل کرتے وقت ان سات باتوں پر عمل کرے ۔

السؤال ، لاستماع بعد الصمت التفکیر ، العمل به ، طلب الصدق فی نفسه . ترک الاعجاب بما یحسنه کثرة الذکر انه من نعمة الله (۳۷)

(جو چیز معلوم نہ ہو اس کے پوچھنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کرے ۔ خاموشی سے توجہ سے سنے ۔ غور و خوض جاری رکھے ۔ علم کے مطابق عمل کرے ہمیشہ حقیقت کا متلاشی رہے ۔ جو اسے پسند آئے اس پر تعجب نہ کرے اللہ تعالی کا ذکر کثرت سے کرے کیونکہ یہ اس کی نعمتوں میں سے ہے) ۔

ہم اس کے ساتھ ایک اور چیز کا اضافہ کرتے ہیں کہ طالب علم پر لازم ہے کہ وہ اپنے طالب علمی کے دور میں گناہوں سے بچتا رہے ۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ایک طرف تو اسکا قلب صاف رہے گا اور دل پر علم کا مضبوط نقش جم جائے گا ۔ دوسری طرف رضائے الہی کے حصول میں مدد ملے گی اور تیسرے یہ کہ وہ علم حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے گا ۔ کیونکہ :

فان علم الله نور

والنور لا یعطی للمعاصی

کہ اللہ تعالی کی معرفت کا حصول ایک ایسا نور ہے جو گنہگاروں کو نصیب نہیں ہوتا ۔

مــلاحـظات

١) لسان العــرب (منظور افریقی) ج ٢ ،ص ٣١۷

٢) فقه اللغة (علی عبدالواحد وافی) ص ١٣ ـ

٣) مقدمه ابن خلدون (طبع مصر) ص ٥۴٣ ـ

۴) سورة البقرة ٣١ ـ

٥) التعلیم فی خدمة اسـلام (محمد ابراهیم نبهان) ص ١٨ ـ

٦) سورة العلق ، ١ـ٥

۷) سورة النساء ـ ١٣

٨) سورة الانبیاء ـ ۷

٩) مشکوة المصابیح (طبع دمشق) ج ٢ ،ص ٥۷

١٠) بحواله احیاء علوم الدین ج ١ ـ ص ١١ـ ١٢

١١) سورة طـه ، ١١۴

١٢) سورة یوسف ، ٦۷

١٣) سورة المجادله ١١

١۴) بحواله تذکره السامع والمتکلم (طبع بیروت ١٩٦۷) ص ١۷٠

١٥) بحواله تذکره السامع والمتکلم (طبع بیروت) ص ١٦٩

١٦) العنکبـوت ۴٣

١۷) مشکوة المصابیح (طبع دمشق) ج ٢ ، ص ۷٠

١٨) انسانیة الاسـلام (احمد عبدالغفور عطار) ص ٢٩

١٩) سورة القصص ۷۷

٢٠) الصحیح البخاری کتاب الصوم

٢١) سورة ابراهیم ۴

٢٢) سورة البقره ٨٣

٢٣) احیاء علوم الدین (طبع مصر ١٩٣٩)ج ١ ـ ص ٦١ ـ٦٣

٢٤) آداب المتعلمین (نصیر الدین طوسی) ص ١٣٥

٢٥) احیاء علوم الدین (امام غزالی) ج ١ ص ٥٥ ـ٦١

٢٦) یه عبارت دائره معارف علوم اجتماعیه ج ٥ ص ٣٠٩ ـ ٣١٣ سے اخذ کی گئی هیں ـ

٢٧) آداب المتعلمین (طبع بیروت ١٩٦٧) ص ١٣٣

٢٨) العلم فی خدمة اسلام ص ٢٣

٢٩) احیاء علوم الدین ج ١ ص ٥٥

٣٠) سورة هود ٦

٣١) التعلیم فی خدمة اسلام ص ١٣٠

٣٢) مسلمانوں کا نظام تعلیم (طبع ثانی) ص ٥١ ـ٥٢

٣٣) سورة البقرة ٢٦٩

٣٤) ابن ماجه مقدمه

٣٥) مشکوة المصابیح ج ٢ ص >>

٣٦) مشکوة المصابیح ج ٢ ص >>

٣٧) اخوان الصفا (طبع بیروت ١٩٦٧) ص ٥٦

****